سید صباح الدین عبدالرحمانؒ ......بحیثیت تاریخ نگار
(سابق ناظم دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، انڈیا)

حافظ محمد بلال اعجاز*

''سید سلیمان ندویؒ کے جانشین اور دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کے ناظم سید صباح الدینؒ اپنے استاذ کے ترتیب دیے ہوئے سلسلہ تدوین تاریخ ہند کی ترتیب وتکمیل میں مسلسل پچاس سال لگے رہے اور اس تناظر میں آپ نے جہاں برطانوی عہد کے مورخین کے طے کردہ اہداف اور رجحانات کی حوصلہ شکنی کی، وہیں آپ نے ہندوستان کے مختلف طبقات کے دوران باہمی محبت اور ہم آہنگیوں کو پروان چڑھاتے ہوئے مورخین کو تاریخ نویسی کی اسی شاہراہ پر چلانے کی کوشش کی جس پر عہد وسطی کے روایتی مسلم مورخین چل کر آئے تھے۔''

اردو تاریخ نگاری میں دارالمصنفین محض ادارہ تحقیق وتالیف ہی نہیں بلکہ ایک مکتبہ فکر کی حیثیت رکھتا ہے۔اور اس ادارہ سے شائع ہونے والی کتب مسلم تاریخ کا بہت بڑا سرمایہ ہیں۔آج جبکہ امت مسلمہ کے نوجوانوں کے سامنے اس کے تابناک ماضی کو مسخ کر کے حال اور مستقبل سے مایوسی اور ناامیدی پیدا کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔مسلم حکمرانوں اوران کے عہد کو ظلم و جبر اور دور ظلمت (Dark Ages) قرار دیا جارہا ہے۔اس صورت حال میں جدید اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے طالبعلموں کے لیے جو کلاسیکی زبانوں میں محفوظ اپنی تاریخ اور تہذیب وتمدن کے اصل ماخذوں تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہے۔دارالمصنفین کا سلسلہ تاریخ ہند انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔اس کے بانی اور روح رواں علامہ شبلی نعمانیؒ تھے جو اس طرف متوجہ ہوئے اور دینیات، تاریخ اور ادب میں اپنے گہرے لگاؤ کے باعث اردو میں فن تاریخ نگاری کو ایک ٹھوس مقصد اور سمت عطا فرمائی فن تاریخ نگاری کے بارے میں علامہ شبلیؒ کی رائے یہ تھی کہ

''دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا تاریخ وتذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے۔کیونکہ فخر وترجیح کے موقع پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے۔تفریح اور گرمیِ صحبت کے لیے مجالس میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات ورسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں اور یہی چیزیں تاریخ وتذکرہ کا سرمایہ ہیں''۔(۱)

---

*اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر-شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

آپ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اردو میں اول اول باقاعدہ تاریخ نویسی کے اصول مرتب کیے اور انہیں عملی طور پر پر اپنی تصانیف میں برتا۔ آپ کے نزدیک

''تاریخ عالم کا ہر واقعہ بہت سے مختلف واقعات کے سلسلے میں بندھا ہوا ہے انہی ریشہ دوانیوں کا پتہ لگانا اور ان سے فلسفیانہ نکتہ سنجی کے ساتھ تاریخی نتائج کا مستنبط کرنا یہی چیز ہے جو علم تاریخ کی جان اور روح ہے''۔ (۲)

آپ نے واقعات کے جانچنے اور تاریخی نتائج کے حصول کے لیے دو ذرائع اختیار کیے۔

۱۔ روایت ۲۔ درایت

۱۔ روایت سے شبلی نعمانیؒ کی مراد یہ ہے کہ:

''جو بھی واقع بیان کیا جائے اسی شخص کی وساطت سے بیان کیا جائے جس کا خود بیان کیے جانے والے واقعہ سے تعلق ہو اور اس سے لے کر آخر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل ہو اور اس کے ساتھ تمام راویوں کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ صحیح الروایت اور ضابط تھے یا نہیں؟''(۳)

۲۔ درایت سے مراد یہ ہے کہ

''عقلی اصولوں سے واقعہ کی تنقید کی جائے'' (۴)

لکھتے ہیں کہ واقعات کی تحقیق وتنقید کے لیے درایت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے اور درایت کا فن ایک مستقل فن بن گیا ہے اور اس کے اصول وقواعد منضبط ہوگئے ہیں اور اس کے جو اصول وقواعد ہمارے کام آسکتے ہیں وہ یہ ہیں

۱۔ واقعہ مذکورہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟

۲۔ اس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

۳۔ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اس نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴۔ اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں اس کے قیاس ورائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟

۵۔ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا ہے وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں۔

۶۔ اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس قسم کے تغیرات پیدا کردیئے ہیں۔ (۵)

آپ تاریخ لکھنے کے لیے ایک خاص قسم کے طرز تحریر کی اہمیت پر بھی زور دیتے ہیں آپ کا کہنا ہے کہ مورخ کا فرض اصلی یہ ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری سے تجاوز نہ کرنے پائے۔

آپ کے نزدیک

''تاریخ اور انشاء پردازی کی حدیں بالکل جدا جدا ہیں'' (۶)

تاریخ نویسی کے لیے ''غیر جانبداری'' آپ کے نزدیک رگ جاں کی اہمیت رکھتی ہے اور آپ مورخ کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں

''اگر سچی بات کہنے کے لیے مورخ کو مذہب بھی قربان کرنا پڑے تو اسے جھجکنا نہیں چاہیے اسلامی مورخ طرفداری سے الگ رہتا ہے وہ واقعات کی غیر جانبدارانہ تلاش میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کا اثر اس کے مذہب اعتقادات اور قومیت پر بھی پڑے گا یا نہیں''۔(۷)

علامہ شبلی نعمانیؒ کی تاریخ نگاری کا مقصد مسلمانوں کو ان کے تابناک ماضی سے واقف ومتعارف کرنا تھا تا کہ مسلمان نوجوان اپنی ملی تاریخ اور روایات سے جڑے رہیں اور ان کے دلوں میں غیر قوموں سے مرعوبیت اور رعب پیدا نہ ہو۔ جب بھی کوئی ایسی کتاب شائع ہوتی جس میں اسلام اور اسلامی تہذیب وتمدن پر متعصبانہ حملے ہوتے تو پھر آپ کی تحریر کا رنگ کچھ اور ہو جاتا۔ مثلاً جب آپ کے معاصر عیسائی مصنف جرجی زیدان نے ''تمدن اسلام'' کے نام سے چار جلدوں میں کتاب لکھ کر اسلامی تمدن کو بگاڑ کر دکھانے کی کوشش کی تو آپ نے اس پر عربی اور اردو دونوں زبانوں میں تبصرہ لکھ کر اس کے کذب وافترا کا پول کھولا۔

خود لکھتے ہیں:

''غلط معلومات کا بادل جو آج سے کئی برس پہلے یورپ پر چھایا تھا اب تک نہیں ہٹا بہت سے بہت یہ ہوا کہ وہ کسی قدر ہلکا ہو گیا لیکن فضا میں اب بھی اس قدر تاریکی ہے کہ:

"اذا اخرج یده لم یکد یرها"(۸)

اسی طرح جب پروفیسر مارگولیتھ کی ''Life of Muhammad (SAW)'' دیکھی تو حیران رہ گئے۔ لکھتے ہیں کہ

''دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب وافتراء اور تاویل وتعصب کی مثال کے لیے پیش نہیں کرسکتی۔ اس کا اگر کوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہوسکتا صرف اپنی طباعی کے زور سے بدمنظر بنا دیتا ہے''۔(۹)

علامہ شبلی نعمانیؒ جہاں مورخین اسلام کے فن درایت وروایت سے واقف تھے وہیں آپ مغربی مورخین کے خیالات ورجحانات سے بھی واقف تھے اس طرح آپ تاریخ نگاری میں ایک منفرد نکتہ نظر کے مالک تھے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی آپ کے نظریہ تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں

''فن تاریخ نویسی میں علامہ شبلی کا سب سے اہم اور عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عربی ایرانی اور مغربی

نظریہ ہائے تاریخ کو ایک فکری وحدت میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا کہ اس میں عربوں کی حقیقت نگاری ایرانیوں کا ذوقِ ادب اور مغرب کا اندازِ تحقیق جمع ہوگیا ہے۔ ہندوستان کا کوئی دوسرا مورخ اس امتیاز میں ان کا شریک نہیں ہے۔(۱۰)

آپ کسی بات کو تحقیق و تدقیق اور تعدیل کے بغیر نہیں مانتے آپ کے نزدیک تاریخ نویسی کے لیے یہ دونوں چیز انتہائی اہمیت کی حامل ہیں اور تحقیق وجستجو کی یہ عادت اس حد تک جا پہنچی ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ مورخ کی ناواقفیت سے غلط باتیں لکھ جانے کا امکان ہوتا ہے۔اس لیے لکھتے ہیں کہ

''تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں ان کا مختلف فنون سے رابطہ ہوتا ہے۔ مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے انتظامی امور قانون سے اور اخلاقی تذکرے علم اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔مورخ اگر ان تمام امور کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے ورنہ اس کی نظر سرسری اور سطحی ہوگی''۔(۱۱)

یہی اصول شبلی نعمانی کی تاریخ نویسی کی ابتداء وانتہا ہیں۔ اور انہی اصولوں کو انہوں نے اپنی تصانیف ''المامون''، ''الفاروق''، ''النعمان''، ''سوانح مولانا رومؒ''، ''سیرت النبی ﷺ'' میں برتا ہے جو کہ آسمان علم وادب اور تاریخ وسوانح پر قوس قزح کے رنگوں کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔

یہاں علامہ شبلی نعمانیؒ کی تاریخ نگاری کا ذکر قدرے تفصیل سے اس لیے کیا گیا تاکہ یہ بتایا جاسکے کہ وہ کون سا فن تاریخ نگاری ہے اور کونسے مقاصد ہیں جن کو بانی دارالمصنفین کے جانشینوں نے اختیار کیا اور اسے آگے لے کر بڑھے۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ نے دارالمصنفین میں اپنے طویل قیام (۱۹۳۵ء سے ۱۹۸۷ء) یعنی تقریباً ۵۲ سال کا عرصہ اور خدمات کو سید سلیمان ندویؒ کے ترتیب دیئے ہوئے ''سلسلہ تدوین تاریخ ہند'' کی تکمیل کے لئے وقف کر دیا۔لہذا آپکی تاریخ نگاری کے رجحانات اور نکتہ نظر کو سمجھنے کے لیے ''سلسلہ تدوین تاریخ ہند'' کے مقاصد اور اہداف کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے وہ سارا پس منظر واضح ہو جائے گا جس کی روشنی میں سید صباح الدینؒ نے ہندوستان میں مسلم دور حکومت کے گوناگوں پہلوؤں پر مہتم بالشان کام سرانجام دیا۔

سلسلہ تدوین تاریخ ہند:

علامہ شبلی نعمانیؒ اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے منصوبہ ''اغلاط تاریخی کی تصحیح'' نے مسلمانوں کے اندر ہندوستان کی ایک صحیح اور مستند تاریخ لکھنے کا شدت سے احساس پیدا کر دیا چنانچہ بعض اخبارات میں اس کی طرف اہل علم کی توجہ مبذول کرائی گئی اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے مولانا سید سلیمان ندویؒ پر نظر انتخاب پڑی۔(۱۲)

سید سلیمان ندوی نے اس کی پرزور حمایت کی ابتداٗء ان کا خیال تھا کہ یہ تاریخ، ہندوستان کی دو عظیم الشان آبادیوں کو ان کی غلط کاریوں پر متنبہ کرنے والی ہوگی۔(۱۳)

مگر اس کے بعد اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی اور یہ تجویز، تجویز ہی رہ گئی ۱۵ برس بعد اگست ۱۹۳۲ء میں سید صاحب نے اپنی ایک تحریر میں ہندو مسلم منافرت کا مبدأ کورٹ کے کارپردازوں اور کالج کے پروفیسروں کو قرار دیا۔(۱۴)

اس کے جواب میں پونہ سے شیخ عبدالقادر نے ایک طویل خط میں سید صاحب کی اس رائے سے اختلاف کیا اور لکھا کہ یہ بات صرف تاریخ ہند کے استاذوں پر کسی قدر عائد کی جاسکتی ہے انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ ان استاذوں کا بھی قصور نہیں کیونکہ نصاب تعلیم وہ تیار نہیں کرتے بازار میں جو کتابیں دستیاب ہوتی ہیں حکومت انہیں نصاب تعلیم میں شامل کر لیتی ہے اس لیے ضرورت ہے کہ تاریخ ہند کی ایسی کتابیں تیار کی جائیں جو ہندو مسلم منافرت نہ پیدا کریں اور یہ بات مؤثر طریقہ سے اٹھائی جائے تاکہ حکومت اس بات کو محسوس کرے، شیخ عبدالقادر نے یہ بھی لکھا کہ الزام و شکایت کے بجائے ضرورت ہے کہ ہندوستان کی صحیح اسلامی تاریخ کی تحقیق و تدوین کے لیے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی جائے اور یہ کام منظم طور پر کیا جائے تاکہ یہ مسئلہ خود بہ خود حل ہو جائے۔

چونکہ یہ تجویز خود سید صاحب کے ذہن میں عرصہ سے تھی اور اس کی اہمیت و ضرورت کا انہیں احساس تھا اس لیے انہوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور لکھا:

''ہمارے فاضل دوست نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ صرف بیماری کا شکوہ نہیں بلکہ بیماری کا علاج کرنا چاہیے ہم بڑی خوشی کے ساتھ ان کی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہیں ......اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی ایک محقق تاریخ لکھنا آج مسلمانوں کا سب سے بڑا فرض ہے، ''دارالمصنفین'' اس کے لیے اپنے مقدور بھر سب کچھ کرنے کو تیار ہیں لیکن ضرورت ہے دوسرے درد مند اہل علم بھی ہمارے کاموں میں حصہ لیں اور اپنی سعی و تحقیق سے ممنون فرمائیں ہمارے نزدیک یہ مناسب ہے کہ تاریخ ہند کے مختلف حصے کر دیئے جائیں اور ایک ایک حصہ ایک ایک ایسے شخص کو دیا جائے جس نے اس دور تاریخی پر کچھ تلاش و جستجو کی ہے اور اگر سرمایہ اجازت دے تو ان کو ان کے کاموں کا مالی معاوضہ بھی دیا جائے۔'' (۱۵)

اس کے بعد سید صاحب نے تاریخ ہند کی تدوین کا ایک خاکہ تیار کیا جس میں تاریخ ہند کی تدوین کی اہمیت و ضرورت اور مقاصد کی بھی وضاحت کی وہ لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور سلاطین کی بادشاہی اور حکومت اور مسلمانوں نے اس ملک کو جو ترقی دی اور یہاں جو تمدن پیدا کیا ان سب کی ایک مفصل و مکمل اسلامی تاریخ کی ضرورت تاریخی علمی، قومی اور سیاسی ہر حیثیت سے روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ لیکن یہ کام اس قدر اہم ہے کہ اس کو صرف شخصی ہمت سے انجام دینا مشکل ہے،

ارباب نظر کی نگاہیں اس کے لیے برابر دارالمصنفین پر پڑ رہی ہیں۔ دارالمصنفین نے اب تک اس خدمت کے انجام دینے سے اس لیے پہلوتہی کی کہ اس کے لیے گراں قدر مصارف کی ضرورت ہے جس کے لیے اس کا موجودہ سرمایہ کافی نہیں اس کام کے لیے اس کو جو ضرورت درپیش ہے اس کا مختصر خاکہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ تاریخ ہند کے غیر مطبوعہ نسخوں کی فراہمی اس کی نقل اور ہو سکے تو اس کی خریداری۔

۲۔ تاریخ کی جو مطبوعہ کتابیں ہمارے پاس نہیں ہیں ان کو حاصل کرنا۔

۳۔ یورپین زبانوں میں قدیم یوروپین سیاحوں نے مغلوں کے عہد کے جو احوال لکھے ہیں یا آج کل انگریزی میں ہندوستان کی جو قابل ذکر تاریخیں لکھی گئی ہیں ان کو خرید کر یا ہدیتہً حاصل کرنا۔

۴۔ مرہٹوں اور سکھوں نے اپنے اپنے عہد کے جو تاریخی مواد فراہم کیے ہیں ان کو جمع کرنا۔

۵۔ مختلف کتب خانوں میں ہندوستان کی تاریخ کے متعلق جو نادر قلمی کتابیں موجود ہیں، سفر کر کے ان کا مطالعہ اور ان سے مواد فراہم کرنا۔

۶۔ کتابوں کی ترتیب و تدوین کے لیے چند لائق اشخاص کی خدمت مناسب معاوضہ پر حاصل کرنا۔

۷۔ تیار شدہ کتابوں کو چھاپ کر شائع کرنا۔(۱۶)

سید صاحب کا خیال تھا کہ تاریخ ہند کی تدوین پندرہ حصوں میں تقسیم کی جائے جن میں عربوں، غزنویوں، غوریوں، خلجیوں تغلقوں، لودھیوں، مغلوں کے علاوہ دکن، گجرات، مالوہ، کشمیر، ملتان، جون پور، بنگال، حیدرآباد، مرشد آباد، عظیم آباد، اودھ، روہیل کھنڈ، بیدر، ارکاٹ وغیرہ کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کی سیاسی تاریخ کے ساتھ ان کی علمی تمدنی اور ثقافتی تاریخ بھی لکھی جائے۔(۱۷)

اب اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے دو ضرورتیں تھیں ایک یہ کہ مورخین کی ایک مجلس بنائی جائے جو اس کی تدوین میں حصہ لے دوسرے اس کی طباعت واشاعت پر آنے والے اخراجات جمع کیے جائیں، سید صاحب کا تخمینہ تھا کہ اس میں تقریباً سترہ ہزار روپے خرچ ہوں گے اس لیے انہوں نے قوم سے اپیل کی چنانچہ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے پچاس روپیہ ماہوار ایک سال تک دینے کا وعدہ کیا خواجہ حسن نظامی مرحوم نے ایک ہزار قسط وار دینے کا وعدہ فرمایا اور خان بہادر منشی محمد حسین صاحب سابق فائنانس منسٹر رام پور نے پانچ سو روپے یک مشت عطا کیے۔(۱۸)

تاریخ ہند کی تدوین کے لیے ہندوستان کے مایہ ناز مورخوں کی ایک بزم بنائی اس میں جو مورخ شامل تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ پروفیسر شیخ عبدالقادر دکن کالج پونہ

۲۔ پروفیسر محمد حبیب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۳۔ پروفیسر ہارون خان شروانی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد۔

۴۔ پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی، مولف مقدمہ رقعات عالمگیر، اسماعیل کالج بمبئی

۵۔ مولانا سید ابوظفر ندوی مولف تاریخ گجرات، احمد آباد

۶۔ ڈاکٹر محمد ناظم مصنف تاریخ محمود غزنویؒ محکمہ آثار قدیمہ دکن

۷۔ پروفیسر سید عبدالقادر اسلامیہ کالج، لاہور۔

۸۔ حکیم شمس اللہ قادری حیدر آباد دکن۔

۹۔ مولوی سید ہاشمی مولف تاریخ ہند۔

۱۰۔ مولوی سید مقبول احمد مولف حیات جلیل الہ آباد۔

۱۱۔ مولوی اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی مولف آئینہ حقیقت نما۔

۱۲۔ مولوی سید ریاست علی ندوی مولف تاریخ صقلیہ واندلس، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

۱۳۔ علامہ عبداللہ یوسف علی۔ ۱۴۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ لاہور وغیرہ۔(۱۹)

سید سلیمان ندویؒ آخر وقت تک اس کام کے لیے فکر مند رہے ''معارف'' میں بار بار اس کا ذکر کیا اور اہل علم کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اہل علم اور ارباب ثروت نے ابتدائی سرگرمیوں کے بعد پھر توجہ نہ دی۔ اور سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ تنہا اس کام کی تکمیل میں لگے رہے۔

اس طویل لیکن سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ کی تاریخ نگاری کے ضمن میں انتہائی اہم بحث کو پیش کرنے کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ سید سلمان ندویؒ نے تاریخ ہند کی تدوین کا کام کن اسباب و اغراض کے تحت ''دارالمصنفین'' میں شروع کرایا اور سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ کس طرح تن تنہا اس کام کی تکمیل میں لگے رہے اور اب آگے صفحات میں سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ کی تاریخ نگاری کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

دارالمصنفین کی علمی روایت ارتقاء کے تین ادوار سے گزری ہے ڈاکٹر خورشید ردولوی نے اپنے مضمون بعنوان ''جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم'' میں ارتقاء کے اس دور میں سید صباح الدین صاحبؒ کے مقام کا تعین کچھ اس طرح کیا۔

''یہ ایک سلسلہ الذہب تھا جس کی ابتداء علامہ شبلی نعمانیؒ سے ہوئی تھی اس سلسلہ کی دوسری کڑی سید سلیمان ندویؒ و مولانا عبدالسلام ندویؒ تھے ان کے ساتھ انتظامی امور کے نگران مولانا مسعود علی ندوی تھے اس مثلث کو دارالمصنفین کا معمار کہا جاسکتا ہے مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالسلام کو دارالمصنفین کی روح اور اور مولانا

مسعود علی ندوی کو جسم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے سید صاحب نے اپنی تصنیفات سے اس ادارہ کو معراج کمال تک پہنچا دیا اور اس سلسلۃ الذہب کی تیسری کڑی شاہ معین الدین ندویؒ اور سید صباح الدینؒ تھے جنھوں نے سید سلیمان ندویؒ کے بعد دارالمصنفین کی علمی روایت کو سنبھالا اور ایک گونہ بڑھایا شاہ صاحب علمی دینی اور ادبی شخصیت کے مالک تھے لیکن صباح الدین علم وعمل دونوں کا نمونہ اور رزم وبزم دونوں کے آدمی تھے اس لیے انہوں نے دونون میدانوں میں اپنے جوہر دکھائے''(۲۰)

بحیثیت تاریخ نگار سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ مسلم سلاطین اور بادشاہوں کی انجمن آرائی اور ''بزم'' کی تاریخ نگاری کی آرائش کرتے ہیں۔ اور اپنا سارا زورِ قلم فتوحات اور کشور کشائی کی داستاں سنانے کے بجائے سلاطین کی ادب نوازی اور معارف پروری کے واقعات سناتے ہیں۔ جس کا ثبوت آپ کی شاہکار کتب ''بزم مملوکیہ'' اور ''بزم تیموریہ'' ہیں۔ جن میں آپ نے مسلم سلاطین اور بادشاہوں کی سرپرستی میں علم و ادب کے گہوارے میں پروان چڑھتی ہوئی اعلیٰ تہذیبی اقدار کی نشاندہی کی ہے۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی جستجو کا مرکز وہ تمدنی جلوے ہیں۔ جن میں لطافت ونفاست کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ آپ وطنی محبت اور مذہبی رواداری کے واقعات اور مظاہر کو تاریخ کی روشنی میں آگے لے کر بڑھتے ہیں۔ اور اپنے اس تاریخی شعور کی مدد سے ماضی حال اور مستقبل کو ایک ہی لڑی میں جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

''ان دونوں جلدوں کی ترتیب کے وقت استاذی المحترم علامہ سید سلیمان ندوی کی نصیحت ذہن پر چھائی رہی، کہ ہندوستان کی جو بھی تاریخ لکھی جائے اس کا مقصد ہندوستان کے متفرق اجزاء کو باہم جوڑنا ہو، توڑنا نہ ہو، حال کو ماضی کی ناگواری کی تلخی بڑھا کر برباد نہ کیا جائے''۔(۲۱)

آپ کے نزدیک ''رزم'' کی تاریخ نگاری سے نفرتیں دوریاں اور کشمکش پروان چڑھتی ہے۔ اور مختلف اقوام وملل اور گروہوں میں فاصلے بڑھتے اور تصادم کی فضا پروان چڑھتی ہے۔ اس لیے پورے ''سلسلہ تدوین تاریخ ہند'' میں رزم سے زیادہ بزم کے سجانے پر زور دیا گیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے اس دبستان کی تاریخ نگاری کی خصوصیات کا ذکر دارالمصنفین کے جشنِ طلائی کے موقع پر ان الفاظ میں کیا ہے

''اس مکتب فکر کے مصنفوں نے جہاں کہیں اسلامی تہذیب کے تعلقات قدیم یونانی، ایرانی اور ہندی تہذیب سے دکھائے ہیں وہاں فصل کے بجائے وصل کے پہلو کو ابھارا ہے اور قصہ سکندر و دارا سنانے پر حکایت مہر و فا بیان کرنے کو ترجیح دی ہے۔ جب کہ ہمارے اکثر مورخ قرون وسطی کے ہندوستان کو ایک بحر طوفان خیز بنا کر پیش کرتے تھے جس میں اسلامی تہذیب اور ہندی تہذیب کے دھارے ایک دوسرے سے الجھتے اور ٹکراتے رہتے ہیں۔ دارالمصنفین کے مورخین نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ ان دونوں کا ملنا تصادم نہیں بلکہ امتزاج، سنگھرش نہیں بلکہ سنگم تھا''۔(۲۲)

سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ کی نگاہ ماضی کے روشن پہلوؤں پر زیادہ رہتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ تاریک پہلوؤں سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ وہ روشن پہلوؤں کی طرف زیادہ راغب اس لیے رہتے ہیں تا کہ وہ ان کی مدد سے حال کوسنوارنے میں مدد لے سکیں لکھتے ہیں

''مورخ کی نیت صحیح ہوتو موضوع کتنا ہی متنازع فیہ ہواس کے روشن پہلو دکھانا کچھ مشکل کام نہیں کون سی حکومت ہے۔ جو بے داغ رہی ہے۔لیکن اس کے صرف داغدار پہلوؤں کو پیش کیا جائے تو اس کے اچھے پہلو آسانی سے نظر انداز ہوجاتے ہیں۔(۲۳)

برطانوی دورحکومت میں انگریز مورخین اوران کے مقلدین نے جب غیر مصدقہ تاریخی روایات اورخود تراشیدہ افسانوں کی بنیاد پر ہندومسلم اختلافات کو ہوا دینے کی کوشش کی اور مسلمان فاتحین کے بارے میں یہ لکھا کہ وہ ظالم جابرلٹیرے اور غارت گر تھے۔تو اس پر سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ تڑپ اٹھتے تھے۔ لکھتے ہیں کہ

''دوسری قومیں طرح طرح کی روایتیں گھڑ گھڑ کر اپنی تاریخ بنارہی ہیں۔ اگر ہماری تاریخ میں کچھ ایسی روایات ملتی ہیں۔ جن کی صحت اور عدم صحت دونوں مصدقہ نہیں لیکن اگر ان سے ہماری تاریخ کا کوئی پہلو روشن ہوتا ہے تو ہمارے قلم کو بلاوجہ اس کی تردید کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے اس سے نہ صرف ہماری تاریخ کو نقصان پہنچتا ہے۔ بلکہ ایک دوسرے کی تائید اور تردید کرنے میں خواہ مخواہ علمی سرگرمیاں برباد ہوتی رہتی ہیں''۔(۲۴)

سید صباح الدین کے ہاں تاریخی بصیرت اور تہذیب وتمدن کے مطالعہ کے ساتھ امت مسلمہ کا درد بھی تھا۔ وہ مسلمانوں کی یک جہتی اور یگانگت کی تمنا کرتے تھے۔ اور تعمیری ذہن کے ساتھ مثبت اقدام کے حامی تھے۔ اور یہ رنگ آپ کی تمام تصانیف میں نمایاں نظر آتا ہے۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی تاریخ نگاری کی ایک نمایاں خصوصیت انسانیت کو اعلیٰ اقدار و روایات اور اس کے شرف وفضلیت سے روشناس کرانا ہے۔ اس لیے وہ اپنی تصنیف ''بزم صوفیہ'' میں صدق وصفا اور اخلاص وللہیت کے ان مجسم نمونوں سے اپنے قاری کو روشناس کراتے ہیں۔ تا کہ ان سانچوں میں وہ اپنے آپ کو ڈھال سکے۔ لکھتے ہیں

''اس کتاب میں یہ بھی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خانقاہ کے بوریہ نشینوں نے اپنے عہد کے مسلمانوں کے مذہب اخلاق معاشرت اور سیاست کو کس طرح سنوارا اور تاریخ ہند کے مطالعہ میں عموماً مسلمان حکمرانوں کے افعال وکردار سے اس زمانے کے مسلمانوں کے اخلاق وسیرت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ جو صحیح نہیں ہندوستان میں صلحاء ومشائخ ہی نے اسلام کی معنوی شوکت وعظمت قائم کی اس لیے ان کے حالات وتعلیمات کو ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ کا ضروری جزو سمجھنا چاہیے''۔(۲۵)

اسی طرح آپ کی تاریخ نگاری کا ایک پہلو مسلمانوں کی ہندوستان سے محبت وشیفتگی کے جذبات کا اظہار ہے۔ جس کا اظہار وہ اپنی تصانیف ''ہندوستان امیر خسروؒ کی نظر میں''، ''مغل بادشاہوں کے عہد میں ہندوستان سے محبت و

شیفتگی کے جذبات'' اور ''سلاطین دہلی کے عہد میں ہندوستان سے محبت وشیفتگی کے جذبات'' ''عہد مغلیہ مسلمان اور ہندومورخین کی نظر میں'' اور ''ہندوستان کے عہدِ وسطی کی ایک جھلک'' میں کرتے ہیں۔ اس پہلو کے نمایاں کرنے میں وہ ہندو مسلم ہردومورخین کی مدد سے ایسی تاریخ قلم بند کرتے ہیں۔ کہ دونوں گروہوں پر اس کے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور آپ کی تاریخ نویسی کا یہ انداز غلط فہمیوں کے ازالے اور ایک دوسرے کو قریب تر کرنے میں انتہائی مفید تر ثابت ہوتا ہے۔ اور اسی بنیاد پر ہندو مسلم تعلقات کی خوشگوار یادیں تازہ کی جاسکتی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

''اگر پوری محنت اور کاوش سے اس انداز کی تاریخ لکھی گئی ہوتی تو ہندوؤں اور مسلمانوں کے جذبات ایک دوسرے کی طرف سے کچھ اور ہوتے غلط قسم کی تاریخ پڑھانے کے جو ہولناک نتائج اس ملک میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان پر یہاں بحث کرنے کی گنجائش نہیں''۔ (۲۶)

ڈاکٹر سید محمود (سابق وزیر تعلیم صوبہ بہار، ہندوستان) اس طرز تاریخ نویسی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''اگر اس قسم کی تاریخ لکھ کر ملک میں پیش ہوتی رہے تو ہماری بہت سی ذہنی اور سیاسی بیماریوں کا مکمل علاج ہوجائے''۔ (۲۷)

اس پر آپ کا کامل یقین تھا کہ مذہبی راسخ العقیدگی وطنی محبت اور شیفتگی کے جذبات کو مستحکم تر کردیتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

''مذہب کی راسخ العقیدگی دوسروں کے مذہبی عقائد کے احترام میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتی مذہب کی پابندی اور عمل میں سچا اخلاص ہوتو یہی سچائی دلوں میں فراخ دلی پیدا کرسکتی ہے۔ جس سے دلوں کی تسخیر آسانی سے ہوسکتی ہے''۔ (۲۸)

آپ کی تاریخ نگاری کا ایک اور پہلو ہندوستان کی تمدنی زندگی میں مختلف اقوام وملل کے ملے جلے تجربات کو اجاگر کرنا ہے۔ چونکہ آپ کی زیادہ تر تحریریں ہندوستان کے عہد وسطی سے متعلق ہیں۔ اس لیے ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ربط ضبط اور میل جول سے جو تمدن پروان چڑھا اور مسلمانوں کی آمد سے ہندوستان پر جو اثرات مرتب ہوئے اس کی جھلکیاں آپ نے ہندوؤں کی مذہبی اور اصلاحی تحریکوں، معاشرت، طرز تعمیر اور زیورات ولباس میں دکھائی ہیں۔ آپ کی کتاب ''ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے'' آپ کی تاریخ نگاری کے اسی پہلو کی عکاسی کرتی ہے۔

الغرض بحیثیت تاریخ نگار سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ ہندوستان کے مختلف گروہوں کے درمیان یگانگت اور محبت ومودّت کے جذبات پروان چڑھاتے ہیں۔ اور ہندوستان کی تعمیر وتشکیل میں عہدِ وسطی کی علمی وادبی جھلکیاں اور اس کے خوشگوار اور تعمیری پہلو سامنے لاتے ہیں۔ تاکہ ہندوستانیوں کے صحت مندانہ رجحانات کی نشوونما کے ساتھ ساتھ

سامراجی ذہنیت کی تاریخ نویسی کے حامل رجحانات بے نقاب ہوں۔ اس تناظر میں سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ کی تاریخ نویسی کا انداز ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

حواشی

ا۔ شبلی نعمانیؒ، الفاروق، دارالاشاعت، اردو بازار کراچی، ۱۹۹۲ء ص ۲۲
۲۔ شبلی نعمانیؒ، المامون، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی۔ س۔ ن، ص ۱۳
۳۔ الفاروق۔ ص ۳۰ ۴۔ ایضاً، ص ۳۰
۵۔ ایضاً ص، ۳۰، ۳۳ ۶۔ ایضاً، ص ۳۵
۷۔ شبلی نعمانی سیرت النبی ﷺ، مکتبہ مدنیہ اردو بازار، لاہور، مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۲۸
۸۔ مقالات شبلی، مرتبہ سید سلیمان ندویؒ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ص ۱/ ۳، ۱۹۸۹ء
۹۔ سیرت النبی ﷺ جلد اول دیباچہ، ص ۷۲
۱۰۔ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ کی علمی خدمات، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی ۱۹۹۴ء، ص ۱۰۵
۱۱۔ الفاروق، ص ۲۹، ۳۰
۱۲۔ شذرات سلیمانی حصہ اول، ص ۲۸-۲۹ بحوالہ ڈاکٹر الیاس الاعظمی، سید سلیمان ندویؒ بحیثیت مورخ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۲۰۰۲ء، ص ۳۴
۱۳۔ شاہ معین الدین ندویؒ، حیات سلیمان، مکتبہ عالیہ ایبک روڈ، ۱۹۸۲ء، ص ۴۲۷
۱۴۔ ایضاً، ص ۴۸۲
۱۵۔ سید سلیمان ندویؒ، شذرات معارف نومبر، ۱۹۳۲ء، ص ۳۳۰
۱۶۔ شذرات سلیمانی حصہ سوم ص ۷۰-۷۱ بحوالہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ، ڈاکٹر الیاس الاعظمی، ص ۳۶، ۳۷
۱۷۔ شذرات سلیمانی، ص ۳/ ۸۰، ۸۱ بحوالہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ ص ۳۷
۱۸۔ شذرات سلیمانی حصہ سوم ص: ۳/ ۶۷ تا ۷۷ بحوالہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ، ص ۳۸
۱۹۔ ندوی، سید سلیمان، شذرات، معارف اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۳۲ء، ص ۳۳۰

۲۰۔ ڈاکٹر خورشید نعمانی ردولوی، جناب سید صاحب الدین عبدالرحمٰن مرحوم معارف، نومبر ۱۹۸۹ء، ص ۳۶۴

۲۱۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم رفتہ کی سچی کہانیاں حصہ اول ص: ۱۲

۲۲۔ اصلاحی، ضیاء الدین، شذرات، معارف، دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۴۰۵

۲۳۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ، شذرات، معارف، دسمبر ۱۹۸۲ء، ص ۴۰۳

۲۴۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ، ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص ۱۶۲

۲۵۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، تمہید، ص ۴

۲۶۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک، ص ۹

۲۷۔ ایضاً، ص ۵

۲۸۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، سلاطین دہلی کے عہد میں ہندوستان سے محبت و شیفتگی کے جذبات، ص ۱۰۲

مصادر و مراجع (Bibliography)

۱۔ الاعظمی، ڈاکٹر الیاس، سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ۔ ۲۰۰۲ء

۲۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم رفتہ کی سچی کہانیاں (حصہ اول، دوئم) دارالمصنفین اعظم گڑھ، انڈیا، ۱۹۸۸ء

۳۔ بزم صوفیہ، دارالمصنفین اعظم گڑھ، انڈیا، ۱۹۸۸ء

۴۔ بزم مملوکیہ، دارالمصنفین اعظم گڑھ، انڈیا، ۱۹۹۴ء

۵۔ بزم تیموریہ، دارالمصنفین اعظم گڑھ، انڈیا، ۱۹۹۷ء

۶۔ ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک، ۱۹۵۸ء

۷۔ عہد مغلیہ، مسلمان و ہند مورخین کی نظر میں، ۱۹۸۲ء

۸۔ عہد مغلیہ میں ہندوستان سے محبت و شیفتگی کے جذبات، ۱۹۹۲ء

۹۔ سلاطین دہلی کے عہد میں ہندوستان سے محبت و شیفتگی کے جذبات، ۱۹۸۸ء

۱۰۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کی مذہبی رواداری، ۱۹۹۷ء

۱۱۔ نعمانی، علامہ شبلی، الفاروق، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۵ء

۱۲۔ سیرت النبی ﷺ، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۸ء

۱۳۔ المامون، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۹۲ء

۱۴۔ ندوی، شاہ معین الدین، حیات سلیمان، مکتبہ عالیہ ایبک روڈ، لاہور، ۱۹۸۸ء

۱۵۔ نظامی، خلیق احمد، علی گڑھ کی علمی خدمات، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی انڈیا، ۱۹۹۴ء

رسائل

۱۔ معارف، دارالمصنفین، اعظم گڑھ انڈیا